محمد ذکوان ندوی

تجزیہ یا ریمارک

ریمارک اکثر بیانیہ اسلوب پر مبنی آدمی کا اپنا مزعومہ یا محض تفنن ہوا کرتا ہے۔ اِس کے برعکس، تجزیہ ثابت شدہ دلائل کے مطابق گفتگو کا نام ہے۔ کسی فکر یا نقطۂ نظر کے متعلق درست نتیجے تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مجرد ریمارک کے بجاے تجزیہ واستدلال کا علمی طریقہ اختیار کیا جائے۔ اپنے ایک حالیہ تجربے کی روشنی میں یہاں میں اِس معاملے کو مزید واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔

اکتوبر ۲۰۱۹ء میں ''رشحات'' کے تحت ''انسان کی تلاش'' کے عنوان سے راقم کا ایک مضمون ماہنامہ ''اشراق'' ہند میں شائع ہوا تھا۔ بیان مدعا کے لیے اُس کو دوبارہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

> ''ابتدا ہی سے مجھے اُس خوش نصیب 'انسان' کی تلاش ہے جس کے ساتھ یک طرفہ محبت، یک طرفہ خیر خواہی اور یک طرفہ اخلاقیات کی تعلیم ہماری تقریر و تحریر کا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ یہ خوش قسمت 'انسان' شاید اِس دنیا میں ناپید ہے۔ یہاں صرف گروہی انسان اِس محبت کا مستحق قرار پاتا ہے، نہ کہ کوئی حقیقی انسان۔ یہاں اب دولت، مفاد اور اسٹیٹس ہی وہ چیز ہے جو اِس قسم کی 'انسانیت' کا سزاوار بننے کے لیے اصل معیار کا درجہ رکھتی ہے۔
>
> یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے اکثر حلقوں میں اپنی قوم، ملک، مذہب، مسلک اور مشرب کے انسانوں کے لیے محبت واستقبال اور دوسرے گروہ سے وابستہ لوگوں کے لیے صرف بے زاری اور دور باشی کا کلچر رائج ہے۔ یہاں اِس غیر انسانی سلوک کے مقدس اور غیر مقدس، دونوں مظاہر پائے جاتے ہیں ـــــ کبھی ایک

شخص پر ظلم کر کے، کبھی اُسے دائرۂ ایمان سے خارج کر کے اور کبھی اپنے لیے جنت کی ابدی سیٹ کے ریزرویشن کے بعد دوسرے انسانوں کو خدا اور جنت سے محروم کر کے۔ یہ ظاہر ہ بلاشبہ ایک بدترین انسانی اور اخلاقی بحران کی حیثیت رکھتا ہے....۔'' (صفحہ ۲)

حال میں اپنے اِس مضمون پر ایک مخلص عالم کا درج ذیل تبصرہ نظر سے گزرا:

''یہ تلاش اپنی مثالیت کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، حقیقت کے لحاظ سے زمین پر جنت کی تلاش ہے۔ ظاہر ہے، اِس تلاش میں محرومی ہی ہاتھ آئے گی۔ لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اِس محرومی کا اصل نقص، انسانیت کا فقدان نہیں، بلکہ خود میں یا دوسرے انسانوں میں ملکوتیت کی تلاش ہے۔ پوری امت سے اختلاف کا جذبہ اور اپنی رائے کو کل حقیقت اور ناقابل اختلاف و ناقابل شکست کلیہ سمجھنا بھی اِس محرومی کا ایک بڑا سبب ہے۔ اِس دنیا میں یہ تو ممکن ہے کہ کچھ انسان ایک دوسرے سے بے لوث محبت کریں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ زندہ اذہان اِس محبت کے زیر اثر دوسرے کی ہر رائے پر صاد کرے۔ اپنی رائے کو تحقیق اور دوسروں کی آرا کو تقلید سمجھنا، اپنی فہم کو عین فہم شریعت اور دوسروں کو محجوب عن الشریعہ سمجھنا بھی ہمیں ہر وقت پریشان رکھتا ہے۔ ہمیں جیو اور جینے دو، اختلاف کرو اور اختلاف سہو کے سخت، مگر صبر آزما اصولوں کو گلے لگانا ہوگا۔ ہمیں دوسروں سے بہت جلد شکوہ ہو جاتا ہے کہ وہ گروہی تعصبات کا اسیر ہے، لیکن اِس کا ادراک ہمیں کم ہی ہو پاتا ہے کہ اِس نفسیات میں جینا کہیں خود بدترین گروہیت تو نہیں....۔''

اِس مخلصانہ تبصرے کے لیے ہم موصوف کے شکر گزار ہیں۔ تاہم یہ ''مثالیت'' یا آئیڈیل ازم کی تلاش نہیں، بلکہ 'انسان' کی تلاش ہے۔ اِس سے پہلے مولانا روم یہی بات اِن الفاظ میں بیان کر چکے ہیں:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر　　کز دیو و دد ملومم و انسانم آرزوست

گفتند یافت می نشود، جستہ ایم ما　　گفت آنچہ یافت می نشود، آنم آرزوست

انسانی نفسیات کی بنا پر اصلاحی اور اخلاقی موضوعات کے لیے ضروری ہے کہ اُسے موکد اسلوب میں بیان کیا جائے؛ اُس میں ''شاید'' اور ''اگر'' جیسے انداز کے بجاے موثر اسلوب میں اصل بات پر فوکس کر کے اُسے پوری طاقت کے ساتھ مبرہن کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِس کے بغیر آدمی کے ذہن کو جھنجھوڑنا اور اُس کو سوچنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں۔ غالباً اسلوب کی اِس نزاکت کو ملحوظ نہ رکھنے کی بنا پر اِس قسم کا موکد انداز مذکورہ التباس کا سبب بن گیا ہے۔

زیر نظر تبصرے کے دوسرے حصے کے متعلق صرف یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ راقم کے اِس مضمون میں سرے سے وہ بات موجود ہی نہیں جسے یہاں درج ذیل الفاظ کے تحت بیان کیا گیا ہے:

''پوری امت سے اختلاف کا جذبہ اور اپنی رائے کو کل حقیقت اور ناقابل اختلاف و ناقابل شکست کلیہ سمجھنا؛ ایک دوسرے سے بے لوث محبت کرنا، لیکن اِس محبت کے زیر اثر دوسرے کی ہر رائے پر صاد نہ کرنا؛ اپنی رائے کو تحقیق اور دوسروں کی آرا کو تقلید سمجھنا، اپنی فہم کو عین فہم شریعت اور دوسروں کو محجوب عن الشریعہ سمجھنا۔''

اِسی طرح ایک دوسرے مخلص اور محترم محقق سے ایک مشہور دینی رہنما کے متعلق اُن کی رائے معلوم کی گئی۔ اِس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

''آپ کو ایسے لوگوں سے کیا دل چسپی ہے، جن کا قبلہ ہی درست نہیں ہے؟''

عرض کیا گیا کہ:

''میں کبھی اِن اصطلاحوں میں نہیں سوچتا۔ 'لا نُکفّرُ أحدًا مِن أھلِ القِبلہ' ہماری عظیم روایت رہی ہے۔ مسلسل ذہنی ارتقا کے حصول اور فکری موت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم محض کسی ایک گروہ یا شخصیت کے خول میں محدود ہونے کے بجاے وسیع اور آفاقی طرز فکر کا طریقہ اختیار کریں۔ اچھی بات ہمیں کہیں سے بھی مل سکتی ہے، یہ کسی فرد یا گروہ کی کوئی اجارہ داری نہیں۔ اِس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم پہلے سے قائم کردہ ذہن کے بجاے کھلے دل و دماغ کے ساتھ غیر متعصبانہ طور پر تمام چیزوں کو دیکھیں اور علم و استدلال کی بنیاد پر اُس کے درست و نادرست ہونے کا فیصلہ کریں۔ تمام 'خیر' صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہی آخرت میں یہ فیصلہ فرمائے گا کہ کس کا 'قبلہ' درست تھا اور کس کا نہیں: 'قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا' (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۴)۔ فکری اختلاف کو ہمیشہ علمی تجزیے تک محدود رکھنا چاہیے، اُسے نہ قبلہ و ایمان تک لے جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہمیں اِس کا مکلف بنایا گیا ہے۔''

آں محترم نے فرمایا:

''... محض اُن کے ماخذ دین کے غلط ہونے کی وجہ سے عرض کر رہا ہوں کہ اُن کا قبلہ درست نہیں ہے، اور اپنے ایک قریبی اور معزز دوست کی خیر خواہی میں ایسا کہہ رہا ہوں۔''

میں نے عرض کیا کہ :

''اِس خیر خواہی کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ 'ماخذ دین' کے درست نہ ہونے کی تعبیر ٹھیک ہے، مگر 'قبلہ درست نہ ہونا' محض ایک ادبی ریمارک کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرا کہنا صرف یہ تھا کہ تبصرہ ہمیشہ متعین اور معروضی اسلوب میں ہونا چاہیے۔ خیر خواہی اور رہنمائی کا اصل فائدہ اِسی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اِس کے برعکس طریقہ اختیار کرنا ایک درست بات کو نادرست الفاظ میں بیان کرنے کے ہم معنی ہوگا، جو کسی بھی طرح مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔''

آں محترم نے فرمایا:

''جی بالکل حق بات کہی ہے آپ نے۔ اللہ آپ کو جزا دے۔ میری کوشش یہی ہوتی ہے، اور میں نے آپ کے سوال کے بعد اُن کے دو تین بیانات سن کر اور کتابوں کا جائزہ لے کر ہی یہ جرأت کی تھی۔ میرے خیال میں یہ ایک معروضی تبصرہ، بلکہ نقد تھا۔''

''بیانات سننے اور کتابوں کا جائزہ لینے'' کے بعد تجزیہ کا طریقہ ہی علمی طریقہ ہو سکتا تھا۔ ایک سچے عالم کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ متعین علمی اور معروضی اسلوب میں کلام کرے۔ علمی اسلوب سے مراد ثابت شدہ حقائق پر مبنی انداز کلام ہے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ہمارے نزدیک کتاب و سنت کے ذریعے سے موصوف کے نظریات کی تائید نہیں ہوتی؛ یا یہ کہ مذکورہ نقطۂ نظر کی نسبت سے کوئی واضح دلیل نقل کرنے کے بعد یہ بتایا جائے کہ اِن دلائل کی بنا پر ہم موصوف کے تصور دین سے اتفاق نہیں کر سکتے۔

''قبلہ درست نہیں'' جیسا ریمارک کسی بھی شخص پر چسپاں کیا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ خود صاحب تبصرہ اور اُن کے فکر پر بھی، جیسا کہ عملاً بہت سے لوگ کر رہے ہیں، مگر یہ طریقہ درست نہیں۔ تبصرہ وہی ہے جو متعین اور تجزیاتی اسلوب پر مبنی ہو، جو اپنے وضوح اور علمی تعینات کی بنا پر زیر بحث فکر پر صادق آئے اور مخاطب کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ اُس کو ممیز طور پر ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھ سکے۔

[لکھنؤ، ۲۰ر فروری ۲۰۲۱ء]